۸ جنوری ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲

اس شمارے میں

اداریہ

خطاطی کی تربیت

مرکزی حکومت کے ترقی اردو بورڈ نے حال میں یہ طے کیا ہے کہ خطاطوں کی تربیت کے لئے کچھ کلاس کھولے جائیں۔ چنانچہ اس پر غور کیا جارہا ہے کہ جامعہ ملیہ اور علی گڑھ میں ایسے تربیتی کلاسوں کا جلد سے جلد انتظام کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اردو میں طباعت و اشاعت کا کام بڑھ رہا ہے، مگر کاتبوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ جو اچھے کاتب ہیں اُن کے پاس بہت کام ہے اور جو معمولی ہیں انھیں بھی اچھا خاصا کام مل جاتا ہے۔ مگر اب روز بروز مصنفین اور ناشرین کے سامنے یہ مشکل آرہی ہے کہ مسودہ موجود ہے اور کاتب ناپید۔ یا اگر بڑی تلاش کے بعد کاتب ملا بھی تو وہ ایک دن کا کام چار دن میں اور دس دن کا ایک مہینے میں کرکے دے گا۔ اس لئے ہمارے نزدیک خطاطی کے تربیتی کلاس کھولنے کا مسئلہ بہت اہم ہے اور جلد سے جلد ان کا آغاز ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ اردو دوستوں کو اب کسی ایک طریقے کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں جہاں ٹائپ کی سہولتیں ہوں وہاں اُن سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جہاں یہ سہولتیں نہ ہوں، کاتبوں سے کام لینا چاہیے۔ نسخ ٹائپ میں چھپائی خاصی مہنگی ہے اور ہاتھ سے کمپوز کرنے میں بھی خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لئے مانو ٹائپ یا لائنو ٹائپ سے کام لینا پڑے گا۔ اس کے لئے شروع میں خاصا خرچ آئے گا اور یہ اس صورت میں مفید ہوگا جب کم سے کم پانچ ہزار کی تعداد میں کتابیں چھپیں۔ اردو میں عام طور پر ہزار اور کم ہی دو ہزار کی تعداد ہوتی ہے۔ اس لئے چاہے ہم ٹائپ کے کتنے ہی دلدادہ ہوں ہمیں فی الحال زیادہ تر کاتبوں کی ضرورت ہوگی اس لئے موجودہ حالات میں کاتبوں کی تربیت کے لئے ایک دو نہیں پانچ چھ تربیتی کلاس کھولنے کی ضرورت ہے ہاں اس کے ساتھ حکومت اور بڑے مطبعوں کو اس طرف مائل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے یہاں مانو ٹائپ یا لائنو ٹائپ لگائیں تاکہ رفتہ رفتہ اس کا رواج بڑھتا جائے اور موجودہ بحران جس میں ہم بیشتر کاتبوں کے دست نگر ہیں ختم ہوسکے۔

جو لوگ کتابت کو بطور پیشے کے اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ اس سلسلے میں جناب شاہد علی خاں منیجر مکتبہ جامعہ اور انجمن کے جنرل سکریٹری سے خط و کتابت کریں۔

مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ کتابت کے علاوہ خوشنویسی کی روایت کو بھی قائم رکھنا ضروری ہے۔ یہ فن لطیف ہماری ایسی دولت ہے۔ جس پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے۔ آج کتنے لوگ ہیں جو خوشنویسی کے فن سے واقف ہیں یا خطوں کی مختلف

اقسام کا علم رکھتے ہیں یا جن کے گھر میں کسی مشہور خطاط یا خوشنویس کی وصلی موجود ہے۔ اردو کے استادوں کو تو ویسے ہی خوشنویسی کے فن سے واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے طلبہ کو اس طرف مائل کر سکیں۔

آغا خلش کاشمیری

ہماری زبان کے پڑھنے والے آغا خلش کاشمیری سے ضرور واقف ہوں گے۔ یہ ہفتہ وار اخبار مقصود بمبئی کے ایڈیٹر تھے اور سعادت حسن منٹو کے پرانے ساتھی۔ حال میں ان کا ایک مراسلہ ہماری زبان میں اشاعت کے لئے آیا تھا، مگر قبل اس کے کہ ہم اسے شائع کرتے ان کا انتقال ہو گیا، مراسلے میں مرحوم نے اپنی وضعداری کا ثبوت دیا تھا اور ہماری زبان میں جو لوگ عربی یا فارسی لغات کو اردو کے محاورے کے مطابق لکھتے ہیں ان پر اعتراضات کئے تھے۔ ہمیں مرحوم سے اصولی اختلاف تھا کیونکہ ہم اردو کو ایک آزاد اور خود مختار زبان سمجھتے ہیں، عربی یا فارسی کا ضمیمہ یا ہندی کی شیلی نہیں سمجھتے اور اس لئے اشتقاق کے قاعدے کے مطابق جو لفظ جس طرح اردو میں رائج ہو گیا ہے اسے اردو کا لفظ مانتے ہیں، عربی یا فارسی کی قواعد کے مطابق ان کا استعمال ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر ہم آغا خلش مرحوم کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی بھی ہمیں ضرورت ہے کیونکہ زبان کی صحت کا اتنا خیال رکھنے والے اور اس پر اتنا اصرار کرنے والے اب خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ خلش مرحوم کا بمبئی کی صحافت میں ایک ممتاز درجہ تھا اور انھوں نے اپنے اخبار کے ذریعہ سے اردو صحافت کی بڑی خدمت کی۔ ذاتی طور پر ہم ایک پرانے مراسلہ نگار اور ایک وضعدار انسان سے محروم ہو جانے پر بڑی کمی محسوس کرتے ہیں۔ خدا مرحوم کی مغفرت کرے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اردو رسم خط سیمنار

دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام اردو رسم خط پر سیمنار ۲۹ / ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد کیا جائے گا اور اس کے کئی اجلاس ہوں گے۔

جس طرح اردو زبان متحدہ تہذیب کی نشانی ہے اسی طرح اس کے رسم خط نے بھی ہندوستانی آوازوں کو ایک نئے پیکر میں ڈھالا ہے اور ہندوستانی صوتیات اور ایرانی جمالیات نے باہم مل کر اسے شوخیٔ تحریر بخشی ہے۔

اردو رسم خط اس تہذیبی میل جول کی نشانی ہے جس کے ذریعہ ہندوستان کا تعلق ایشیا اور افریقہ کے دوسرے ملکوں سے بھی استوار ہوتا ہے۔ مجلس مذاکرہ میں رسم خط کی تبدیلی نہیں بلکہ مروجہ رسم خط اور زبان ان کے تہذیبی رشتوں اور صحت املا کے مسائل معرض بحث میں آئیں گے۔

رسم خط سیمنار کے مجوزہ عنوانات

(۱) زبان اور رسم خط کا رشتہ
(۲) رسم خط کا تہذیبی رشتہ
(۳) اردو رسم خط کی خصوصیات
(۴) رسم خط اور املا
(۵) اردو رسم خط کی تاریخ اور ارتقاء
(۶) اردو اور دیگر رسوم خط کا موازنہ
(۷) اردو رسم خط کا صوتیاتی تجزیہ

• خواجہ احمد فاروقی پروفیسر دہلی یونیورسٹی

"چراغ راہ"

انجمن اصلاح المسلمین (مظفر پور) کی جانب سے مسلک و جہیز کے موضوع پر اہم مضامین کی ایک کتاب "چراغ راہ" کے زیر عنوان ترتیب دی ہے جو مختلف مکتبۂ فکر کے اہل قلم حضرات کی تخلیقات سے مزین ہے۔

• ایم۔ اے۔ نصر سکریٹری نشر و اشاعت انجمن
اصلاح المسلمین (مظفر پور) دی اللہ لین کلکتہ ۱۰

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

آب و سراب

مصنف: جمیل مظہری
ناشر: رضا مظہری مکتبۂ ارتقاء ۳۵ صندل اسٹریٹ کلکتہ ۱۲
صفحات: ۴۸ قیمت: دو روپے

بھولے کبوتر ہوشیار سانپ

مرتب: طالب شاہ آبادی
ناشر: ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ پرانہ قلعہ لکھنؤ ۱
صفحات: ۱۹۷ قیمت ایک روپیہ ۵۰ پیسے

چیری کا باغ

مترجم: زاہدہ زیدی
ناشر: ۳۲ ذاکر باغ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
صفحات: ۱۴۶
قیمت: دو روپیہ

عبدالقوی دسنوی

تبرکاتِ غالب و اسد

حال میں مجھے دو کتابیں "مجمع الاشعار" اور "بہار گلشن" دستیاب ہوئی ہیں، پہلی کتاب "مجمع الاشعار" مطبع قیومی کانپور سے رجب ۱۳۲۷ھ میں حسب ارشاد حاجی محمد عبدالقیوم صاحب اور بہ اہتمام محمد قمرالدین بن حاجی محمد یعقوب مالک مطبع احمدی شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں جو ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اردو کے مختلف مشہور شعراء کے کلام کا انتخاب ہے البتہ صفحہ ۴۴ تک فارسی شعراء کے کلام کا انتخاب حاشیہ پر درج ہے۔

اس انتخاب میں غالب کی نسبت سے دو غزلیں اور اسد کی ایک غزل ہے غالب کی حسب ذیل غزلیں ہیں ملاحظہ کیجیے:

(۱)

کب رہا ہے اب ہمیں در و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جاتا رہا تجھ کو نظر کا امتیاز

اس کا کوچہ چھوڑ کر کے جائے گلشن کی طرف
ہو گیا معلوم بس بادِ سحر کا امتیاز

نازکی جس نے رگِ گل کی نہ دیکھی ہو کبھی
ہو میاں کیونکر اسے تیری کمر کا امتیاز

ہے یہ سودائے محبت ہی کریاں انسان کو
کچھ نہیں رہتا جہاں نفع و ضرر کا امتیاز

جب نشست اغیار کے پہلو میں ٹھہری یار کی
تب ہمارا رہ گیا پھر واں کدھر کا امتیاز

اہل ہمت جانتے ہیں خاک جب اکسیر کو
ان کو کب ہوتا ہے صرفِ سیم و زر کا امتیاز

آگے اپنے یار کے غالب ہم ہی معیوب ہیں
ورنہ ہے اس کو اسی عیب و ہنر کا امتیاز

دوسری غزل: (۲)

ہے لگا جو ناز و ادا اس بت لاثانی میں
ایک ایسی بات نہ تھی یوسف کنعانی میں

عشق میں دیتا ہوں اس لیلیٰ کے کاوش جان کو
دسترس ہے یہ کہاں قیس بیابانی میں

چرخ نے پنبۂ حباب دیا کانوں میں
شورش ایسی ہے میری اشک کی طغیانی میں

جان مردوں کی پھری لب سے جو نکلی دشنام
کیا مسیحائی ہے اس لعل بدخشانی میں

کار شمشیر کا کرتا ہے خیال ابرو کا
داغ اس کا ہے ازل سے مری پیشانی میں

پہن کر جو دے گا خوش شال اور دوشالہ کوئی
ہم بھی ہیں شاد اے غالب تن عریانی میں

اسد کے نام سے غالب کی یہ مشہور غزل ہے:

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

یہاں اس غزل کے کل پانچ شعر ہیں جس کے تین معمولی تبدیلی کے ساتھ ہیں جو حسب ذیل ہیں:

دام ہر بحر میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

ہم نے جانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کون ہے جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

دوسری کتاب "بہار گلشن" شاید سات حصوں میں منقسم ہے۔ مجھے دو حصے دوم اور سوم دستیاب ہوئے ہیں۔ حصہ دوم ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۰۴ء میں مطبع قیومی واقع کانپور سے بہ اہتمام محمد قمرالدین بن حاجی محمد یعقوب شائع ہوا ہے۔ سرورق پر تحریر ہے:

"بہار گلشن حصہ دوم جس کو مکرمی جناب حاجی محمد داؤد خاں صاحب مرحوم خلف جناب حافظ محمود خاں صاحب مغفور کانپوری نے کلام شعرائے زماں سے منتخب کر کے سعی اور کوشش سے تالیف فرمایا ہے"

اس حصے میں مرزا غالب کی غزل ؎
"حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد"
شامل ہے لیکن نو شعر کے بجائے کل پانچ شعر ہیں۔

حصہ سوم کی ضخامت ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مرزا غالب کی حسب ذیل غزلیں ہیں:

کوئی دن گر زندگانی اور ہے

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں

ان غزلوں میں ایک ایک شعر ایسے ہیں جن میں معمولی فرق ہے۔

۱؎ مجمع الاشعار صفحہ ۵۳۔

۱؎ صفحہ ۹۰۔

۲؎ موج۔

۳؎ مانا۔

۴؎ کس سے ہو۔

ملاحظہ کیجئے:

آتش دوزخ میں گرمی اور سہی
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

نکتہ چیں ہے غمِ ہجر اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہے
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

اس حصے میں اسد کے نام سے مندرجہ ذیل غزل ہے:

نہیں دیکھا کبھی تیغ زباں کے تم نے گھائل کو
کلیجہ منہ کو آجائے اگر دیکھو مرے دل کو

ہم دونوں نے کھایا ہے جو تیر ناز قاتل کو
جگر کو دل مبارکباد دیتا ہے جگر دل کو

... پہلو سے خدا کے واسطے تم یک بیک اٹھو
... دو ہاتھوں سے اے جان جہاں میں تھام لوں دل کو

مقدر اپنا اپنا ہے کسی کا کیا گلہ اس میں
... راحت تمہارے دل کو بے چینی ہے دل کو

... حدیث عشق کا مطلب سمجھتا ہی نہیں واعظ
... اسد ہم گھر سے فاضل جانتے ہیں ایسے جاہل کو

امید ہے کہ غالبیات سے تعلق رکھنے والوں کے لئے یہ اشعار
... دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

... یہ گرمی کہاں؟
... غم دل۔
... ہو

انجمن کی چند مطبوعات

۱۔	تین مغربی ڈرامے	مجنوں گورکھپوری	۷٫۰۰
۲۔	خواب شیریں	جے کرشن چودھری	۲٫۰۰
۳۔	کلام سودا	خورشید الاسلام	۲۰٫۰۰
۴۔	مشترکہ زبان	مہاتما گاندھی	۰٫۴۰
۵۔	مذہب اور دھرم	"	"
۶۔	نسیم سحر	اے۔ سی۔ بہار	۲٫۵۰
۷۔	نئے ڈرامے	ڈاکٹر محمد حسن	۵٫۰۰
۸۔	سیر افلاک	حکیم احمد	۵٫۰۰
۹۔	ذائقے ظفر	ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی	۳٫۲۵
۱۰۔	گل کرسٹ اور اس کا عہد	محمد عتیق صدیقی	۷٫۰۰

(صفحہ ۶ سے آگے)

تعلیم بالغان پر اگرچہ بہت روپیہ اور کوشش صرف کی گئی ہیں مگر اب تک اس میں خاطرخواہ کامیابی نہیں ہوئی اس کے لئے طریقہ تعلیم میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ طالب علم پہلے ہی دن کوئی کام کی چیز اسی حالت میں سیکھ سکتا ہے۔ طریقۂ تعلیم میں دو باتیں ضرور ہوں ایک تو یہ کہ وہ طالب علم سے کسی ایسی دماغی یا جسمانی اہلیت کا مطالبہ نہ کرے جو اس کے اندر فی الحال پائی نہیں جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ ابتدائی اسباق الف، بے، یا آ، با، تا کی طرح کی بے معنی چیزوں سے مرکب نہ ہوں اور سب سبقوں کی جو ترتیب ہو وہ ایسی منطق کے ماتحت ہو جسے طالب علم اپنے روزمرہ کے کاموں میں استعمال کرتا رہتا ہو۔ یعنی سب کچھ منحصر ہے طریقۂ تعلیم پر۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم بالغان کے کام کو لگن کے ساتھ شروع کیا اور چلایا جائے۔ اس طرح اردو خواندہ حضرات کی تعداد بہت تیزی سے بڑھنے لگے گی۔ بلکہ یہ چیز تو ایسی ہے جس کو اس طرح کا نشانہ رکھ کر چلانا چاہئے۔ کہ مثلاً پانچ سال میں ایک لاکھ کو پڑھالیں۔ جو لوگ پڑھ جائیں ان کو خواندہ کا سرٹیفکیٹ دیا جائے اس کی فیس لے کر اخراجات بھی پورے کئے جاسکتے ہیں۔

دوسری تعمیری تحریک جس کی ہم کو بہت ضرورت ہے لائبریری کی تحریک ہے۔ لکھنؤ میں چار پانچ لائبریریاں ایسی ہیں جہاں کرائے پر ناولیں ملتی ہیں۔ لیکن اب کم ہوگئی ہیں۔ ایسی لائبریریوں کی ہر ضلع کے خاص مقام پر ضرورت ہے اور یہ خود کفیل بھی ہو جائیں گی۔ ایسی لائبریریوں سے لوگوں کو پڑھنے کی عادت پڑتی ہے۔ اور کتابوں سے لطف لینے کا ڈھنگ بھی آجاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں کام کون لوگ کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس اردو نے جامعہ اردو کا ایسا ادارہ بنا دیا ہے۔ وہی یہ کرامت بھی دکھا سکتی ہے کہ کچھ سرپھروں کو اور پیدا کردے جو دو چار اور اٹھالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یہ کرامت دیر یا سویر دکھا کر رہے گی۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

یہ بھی واضح رہے کہ یہ دونوں کام تعلیم بالغان اور لائبریری ایسے ہیں جو اگر چل نکلیں تو حکومت کا فرض ہوگا کہ ان کے اخراجات کا بوجھ وہ بھی بٹائے کیونکہ کوئی جمہوری حکومت عوامی خواندگی اور عوامی تعلیم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی ہے۔

مردم شماری میں ہوشیاری کی ضرورت

ہے اردو بولنے والوں کو چاہئے کہ مردم شماری کے فارم کی خانہ پری کے وقت زبان کے خانہ نمبر ۱۴ میں اپنی زبان اردو لکھوائیں اور خود دیکھ کر اطمینان کرلیں کہ شمار کنندہ نے صحیح اندراج کیا ہے یا نہیں۔

حیات اللہ انصاری

خطبہ تقسیم اسناد جامعہ اردو علی گڑھ

(جامعہ اردو کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر مہمان خصوصی جناب حیات اللہ انصاری صاحب نے ۲۰ر دسمبر کو جو خطبہ پڑھا اس کے جستہ جستہ اقتباسات قارئین ہماری زبان کی دلچسپی اور حوصلہ افزائی کے لئے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ادارہ)

جناب حیات اللہ انصاری صاحب نے اپنے خطبہ تقسیم اسناد میں جامعہ اردو کی روز افزوں ترقی، خدمات اور کارناموں کو سراہتے ہوئے اردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا ذکر کیا اور کہا کہ حالات سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں آپ نے فرمایا کہ میں اردو کی ترقی کی طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوا ہوں۔ البتہ جو لوگ اردو کی طرف سے مایوسی کی باتیں کرتے ہیں ان کی طرف سے ضرور مایوس ہو جاتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم کو حکومت نے وہ حقوق نہیں دئے جن کے ہم مستحق تھے اس وجہ سے ہماری راہ کی کچھ رکاوٹوں کا قد بڑھ گیا اور کچھ نئی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں لیکن یہ رکاوٹیں نہ تو اتنی بڑی ہیں اور نہ اتنی زیادہ ہیں جتنی دیکھنے میں نظر آتی ہیں۔ اب دیکھئے کہ آج کتابیں پہلے سے زائد چھپتی ہیں اور زائد بکتی ہیں۔ یہی حال اخباروں کا ہے ان کی حالت بھی ہر لحاظ سے پہلے سے اچھی ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ پہلے جتنے طالب علم اردو لے کر ہائی اسکول میں بیٹھتے تھے، اب ان کی تعداد دگنی تگنی ہو گئی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ تناسب کے لحاظ سے اگر پہلے وہ تیس چالیس فی صدی ہوتے تھے تو اب دس فیصدی یا اس سے بھی کم ہوتے ہیں۔ یعنی تعلیم کا جو بے پناہ اضافہ ہوا ہے اس میں سے ہم کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ یہ ایک رکاوٹ ضرور ہے اور بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن میں ان لوگوں میں ہوں جن کو یقین ہے کہ جمہوریت سوشلزم اور سیکولرزم زمانے کی ایسی مانگیں ہیں جن سے مفر نہیں آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ان زبردست طاقتوں کا ملک پر فروغ تسلط ہو جائے گا اور یہ اپنے ساتھ جو نعمتیں لے کر آئیں گی۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ لسانی تعصب ختم ہو جائے گا۔ آج کل جو آئے دن ہنگامہ ہوا کرتے ہیں، چاہے وہ فسادوں کی شکل میں ہوں، چاہے نکسلیوں کی شکل میں۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمہوریت سوشلزم اور سیکولرزم کے اتحاد ثلاثہ پر رجعت پسندوں کی زبردست یلغار ہے، لیکن وہ کسی طرح بھی اس عظیم اتحاد ثلاثہ کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تاریکی سے ہم کو گھبرانا نہ چاہئے۔ صبح کا تارا اب طلوع ہی ہونے والا ہے۔ اردو کی ترویج و ترقی میں فلموں کے رول کو بیان کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ہمارے فلم وہ زبان بنا رہے ہیں جو آگے چل کر ہندوستان کی مشترکہ زبان قرار پائے گی۔ بات یہ ہے کہ فلم بنانے والے سب چیزوں پر مقدم جس بات کو رکھتے ہیں وہ یہ کہ ان کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ایسی زبان میں فلم بنے جسے زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھیں۔ فلم بنانے والوں نے ہر طرح کی زبان کا تجربہ کیا ہے لیکن آخر وہ اس فیصلے پر پہنچے ہیں کہ وہی زبان عوام میں چل سکتی ہے جو اردو کی طرف کافی جھکی ہوئی ہو۔ جب کبھی وہ اس فارمولے سے ہٹے ہیں انھوں نے سخت گھاٹا اٹھایا ہے۔ فلم کی زبان سے زائد کام فلم کے گیت کرتے ہیں کیونکہ وہ ریڈیو سے بھی نشر ہوتے ہیں ان کے ریکارڈ بھی فروخت ہوتے ہیں اور سینما کے شوقین ان کو گلی گلی گاتے بھی پھرتے ہیں۔ یہ گیت ہوتے کیا ہیں؟ غزلیں ہوتی ہیں۔ جمیل غزلوں کے بول غزلوں کے اور طرز ادا اور زبان سب غزلوں کی۔

ایک چیز اور ابھر رہی ہے ہندوستان میں وہ ہے ڈرامہ۔ میں نے وہ ڈرامے دیکھے ہیں۔ جنھوں نے زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ ان سب کی زبان اردو کی طرف مائل ہے۔

ان کے بعد عوامی زبان کا سب سے بڑا امتحان الکشن کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ اس زمانے میں وہ پارٹیاں اور افراد بھی جو اردو کے زبردست مخالف ہیں اردو میں اشتہار شائع کرتے ہیں اور تقریریں ایسی زبان میں کرتے ہیں جو اردو کی طرف مائل ہوتی ہے۔ ہمارے بڑے لیڈر تو بہت

نصیر قریشی

غزل

جلتے ہوئے ماحول میں جینا بھی سزا ہے
ہر چہرہ ترے شہر کا آئینہ بنا ہے

کل جس کو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں تھا
سنتے ہیں وہی شخص خدا بن کے اٹھا ہے

دیوانگی کی اس سے بڑی حد بھی ہے کوئی
دیوانے نے، دیوانے کو، دیوانہ کہا ہے

جسموں پہ سجائے ہوئے زخموں کی دکانیں
لٹتے ہوئے بازار میں ہر شخص کھڑا ہے

دامانِ سحر تار، تو پیراہنِ شب چاک
خوابوں کے جزیروں میں دھواں پھیل رہا ہے

ڈھلتے ہیں نئے دور کے سانچے میں نئے ذہن
پارینہ روایات کا بت کانپ رہا ہے

میں ہوں کہ ترے در کی توقیر کا ضامن
اور تو مری رسوائی کا سامان بنا ہے

ڈستی ہوئی تنہائیوں کی اندھی گپھا میں
دل شمع کی مانند ضیا بانٹ رہا ہے

صاف زبان میں تقریر کرتے ہیں۔ صرف شمالی ہند ہی میں نہیں بلکہ جنوبی ہند کے بھی بہت سے مقامات پر ایسی ہی زبان استعمال کرتے ہیں۔ ان کی تقریریں شوق سے سنی جاتی ہیں اور لوگ متاثر ہو کر تالیاں بھی بجاتے ہیں۔

مشاعروں کا جتنا چلن آجکل ہو گیا ہے مجھے تو یاد نہیں پڑتا ہے کہ پہلے کبھی تھا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مشاعرے ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے شاعر دور دور سے بلائے جاتے ہیں اور ان کو اخراجات سفر کے لئے اچھی رقمیں دی جاتی ہیں۔ مشاعرے کو سجانے کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے ان کے لئے جو چندہ کیا جاتا ہے ان میں بھی اردو والے نہیں ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی کافی ہوتے ہیں جن کی مادری زبان کوئی اور ہوتی ہے۔

اردو کے اخباروں کی حالت بھی اب پہلے سے بہت بہتر ہے اب تو ایک دو نہیں دس پندرہ اخبار ایسے ہیں جن کے پاس ٹیلی پرنٹر ہے اور جہاں کافی سب ایڈیٹر ہیں۔ ان اخباروں میں سے متعدد ایسے ہیں جو آفسیٹ پر شائع ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں دو ریاستیں ایسی ہیں جن میں سے ایک کی سرکاری زبان اردو ہے اور دوسری میں اردو کی تعلیم لازمی ہے۔ پہلی ہے ریاست کشمیر اور دوسری ہے ہماچل پردیش۔ ان دونوں ریاستوں کے اندر چھ اور سات سات زبانیں بولی جاتی ہیں۔ صرف اردو ایک ایسی زبان ہے جو مشترکہ زبان کا کام دیتی ہے۔ اس وجہ سے اردو کا مقام کچھ ایسا ہے کہ اس کو ہٹانا ممکن نہیں ہے۔

اردو زبان کی مقبولیت کی جو تصویر میں نے آپ کی خدمت میں پیش کی ہے کیا یہ ایسی نہیں ہے جو تمام مایوسیوں کو مٹا دے اور دل کو توقعات اور یقین سے بھر دے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ایسی ٹھوس شہادتوں کے ہوتے ہوئے لوگ کیوں اردو کے نام پر ٹھنڈی سانسیں بھرا کرتے ہیں اور کیوں اردو کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

اردو تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور آزادی کے بعد کے ۲۳ سال میں کافی آگے نکل آئی ہے۔ اردو کی ترقی کا جائزہ لیتے وقت یہ یاد کر لینا چاہیے کہ ۵۰ء میں جب اردو کا جائزہ لیا گیا ہے تو پتہ یہ چلا کہ اتر پردیش میں نہ کوئی سرکاری اسکول ایسا ہے جہاں اردو پڑھائی جاتی ہو اور نہ کوئی طالب علم ایسا ہے جو اردو پڑھتا ہو۔ کیونکہ اتر پردیش کے لازمی تعلیم کے ڈائرکٹر نے انہی دونوں باتوں کو بیک جنبش قلم ایک سرکلر سے ختم کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا یا یہ زمانہ ہے کہ حکومت نے اردو گھر کے لئے زمین دی ہے اور چار لاکھ روپیہ تعمیر کے لئے دے رہی ہے۔ غالب صدی جس طرح منائی گئی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے جس پر خوش نہ ہوا جائے۔ پھر غالب کی یادگار میں جو عالی شان محل تعمیر ہو رہا ہے وہ دائمی یادگار چیز ہے جو اردو کی عظمت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جماتی رہے گی۔

آخر میں، میں اردو کی ایک کامیابی کا تذکرہ اور کروں گا وہ یہ ہے کہ اس زبان میں نصابی کتابیں تیار کرانے کے لئے حکومت نے ایک کروڑ روپیہ منظور کیا ہے اور یہ کام شروع ہو چکا ہے۔

لیکن ابھی تو میں نے سچائی کا ایک ہی رخ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ تاریک پہلو تو ابھی باقی ہی ہے۔ اردو نے جو کچھ ترقی کی ہے اور کر رہی ہے وہ اپنے بل پر کر رہی ہے۔ ریاستی حکومتوں میں سے کسی نے بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے مرکزی حکومت نے بھی ابھی تک بیس لاکھ بالغوں کے دستخط والی درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا۔ سترہ سال گزر چکے ہیں اور ابھی تک اردو کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ اس کو صرف مراعات اور سہولتوں پر ٹرخایا جا رہا ہے اور وہ بھی عملی طور پر نہیں ملتی ہیں۔ اسکولوں میں اردو پڑھنے والوں کو بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بہت سے ہیڈ ماسٹر صاحبان تو اس بات کو کسی طرح تسلیم ہی نہیں کرتے ہیں کہ کلاس میں دس یا اسکول میں چالیس کی شرط پوری ہو گئی ہے چاہے طالب علموں کی تعداد اس سے ڈیوڑھی ہو چکی ہو۔ بعض لوگ تسلیم تو کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنے رویے سے طالب علموں کو ہراساں کرتے رہتے ہیں جس سے گھبرا کر وہ اردو چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض اسکولوں میں نصابی کتابیں مفت دی جاتی ہیں۔ لیکن اردو کتابیں ان میں شامل نہیں کی جاتی ہیں۔ مرکزی حکومت نے کہا ہے کہ اگر غیر سرکاری زبان کے لئے کوئی ٹیچر رکھا جائے گا تو اس کی تنخواہ وہ دے گی۔ لیکن اس پر بھی بہت سے اسکولوں نے اردو طالب علموں کے مطالبوں کے باوجود اردو ٹیچر نہیں رکھا اور ان کی اردو تعلیم کا بندوبست نہیں کیا۔

اردو میں درخواست لے کر اگر کسی محکمے میں جاؤ تو عام طور سے بے دلی سے اس کو قبول کیا جاتا ہے اس وجہ سے صاحب معاملہ اردو میں درخواست دیتے ہوئے گھبراتے ہیں ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ صاحبان معاملہ عام طور سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اردو کا سہارا لو گے تو ڈوب جاؤ گے۔

یہ ہیں وہ حالات جن کے خلاف ہم کو لڑنا ہے۔ لیکن لڑتے وہی لوگ ہیں جو دل میں یقین اور خود اعتمادی اور قربانی لے کر چلتے ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ جو دل میں مایوسی، لبوں پر آہیں اور آنکھوں میں آنسو لے کر میدان میں اترتے ہیں۔

اردو والوں کے لئے لڑنے کے دو میدان ہیں۔ ایک میدان تو ہے حکومت سے اپنے جائز حقوق کا مسلسل مطالبہ کرنا اور دوسرا میدان یہ ہے کہ جس طرح کی تعمیری جدوجہد جامعہ اردو کر رہا ہے۔ اسی طرح کی جدوجہد متعدد میدانوں میں شروع کی جائے اور اردو کو مضبوط سے مضبوط تر اور مقبول سے مقبول تر بنایا جائے۔ اس جگہ میں حکومت سے مطالبات کرنے کا تذکرہ نہیں کروں گا کیونکہ اس کی ذمہ داری دوسری جماعتوں نے قبول کر لی ہے۔ میں تو اس وقت دو قسم کی تعمیری جدوجہد کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ ایک ہے تعلیم بالغان اور دوسری ہے لائبریری کی تحریک۔

(باقی صفحہ ۴۴ کالم ۲ پر)

مراسلات

ناصر خسرو و اسماعیلیان

مشرقی علوم کے ایک روسی ماہر ایوگینی ایدوارد وویچ برتلس مرحوم، جو اکادمیشین برتلس کے نام سے علمائے مستشرقین میں مشہور ہیں۔ ان کے کچھ روسی مسودات میرے سامنے ہیں، جنھیں اشاعت کے لئے تیار اور مکمل کیا جا رہا ہے۔

ان کی ایک کتاب بہ عنوان "ناصر خسرو و اسماعیلیان" حال ہی میں آرین پور کے فارسی ترجمے کی صورت میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب اور اس کا اصل روسی نسخہ بھی پیش نظر ہے۔

اکادمیشین برتلس نے علامہ شبلی اور ڈاکٹر بذل الرحمان کا بھی سرسری حوالہ دیا ہے اپنی تحقیق کے سلسلے میں اور ان دونوں سے اختلاف بھی کیا ہے۔

سوال ۱: کیا ڈاکٹر بذل الرحمان مرحوم نے اس سلسلے میں یا اسماعیلی عقائد کے بارے میں کوئی مستقل تصنیف چھوڑی ہے؟

سفرنامہ ناصر خسرو جو انجمن ترقی اردو (ہند) سے مولوی عبدالحق کی نگرانی میں شائع ہوا تھا اس کے بارے میں اکادمیشین برتلس کا کہنا ہے کہ وہ جعلی ہے، اصل سفرنامہ اب بدخشاں میں مل گیا ہے۔

دیوان ناصر خسرو، زاد المسافرین، جامع الحکمتین، روشنائی نامہ، سعادت نامہ، وجہ دین جو حکیم ناصر خسرو کی واقعی تصانیف ہیں، ان کی روشنی میں اور موئید شیرازی کی تصانیف دعائم الاسلام اور راحۃ العقل کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے۔

(الف) ناصر خسرو اصل میں فاطمی داعی تھے۔

(ب) انھیں حسن بن صبّاح یا نزاریوں سے یا ان کے موجودہ جانشینوں "آغا خانیوں" سے کوئی نسبت نہیں۔

(ج) وہ اپنے عہد کے (۹۰۰ سال پہلے) ایک نہایت روشن دماغ فلسفی تھے جنھیں سماجی طبقات کا احساس تھا۔

(د) یونانی فلسفے پر ان کی نظر گہری تھی، وہ عمر خیام کی طرح اول فلسفی اور بعد کو شاعر تھے۔

سوال ۲: کیا اس سلسلے میں ہندوستان کے کسی کتب خانے سے کسی تصنیف سے تائید یا تردید مل سکتی ہے۔

(ماسکو) • ط انصاری

ایک مصرعہ کی تلاش

خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے اس چلتے ہوئے مصرعہ

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

کا دوسرا مصرعہ مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کسی صاحب کے ذہن میں ہو تو عنایت فرمائیں۔

• عبدالماجد دریابادی

غالب کے ایک شعر کی تضمین

(حضرت بسمل سعیدی کے والد مولوی سید سعید احمد اسعد ٹونکی مرحوم مولوی احمد علی سیماب (مترجم تزک جہانگیری) کے فرزند تھے۔ اپنے عہد کے نامی طبیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ غالباً ۱۹۳۳ء میں انتقال کیا۔ "خدائے حذاقت" مادہ تاریخ وفات حضرت سیماب اکبرآبادی کا کہا ہوا ہے۔ غالب کے ایک شعر پر انھوں نے بڑی پرلطف تضمین کی ہے جس سے قدرت سخن کے علاوہ ان کے کلام کی شوخی اور ظرافت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اشعار غیر مطبوعہ ہیں اور حضرت بسمل سعیدی کے شکریہ کے ساتھ قارئین ہماری زبان کی نذر کئے جاتے ہیں۔

نثار احمد فاروقی)

تضمین بر شعر غالب

دیوان میرزا میں، خفا منہ رہیئے
فرصت بہت ملی مجھے فکر و عبور کی

اردو میں بعد مومن انھیں پایا فخر فن
پائی نہ بو کہیں کسی شتقم و قصور کی

ہاں ان کی مستیوں کے گزاف ایسے چند شعر
حجت ہیں ان کی غفلت و سہو و فتور کی

"واعظ! نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی"

ملتے اگر کہیں، ہم ادب سے یہ پوچھتے
خفاش کو خبر ہے کب اسرار نور کی

ہے یاد ایک جرم میں پکڑے گئے تھے آپ
بگڑی تھی شان جیل میں عیش و سرور کی

پی سکتے خود نہ تھے تو پلا سکتے خاک آپ
واں سوجھتی تھی آپ کو کب ایسی دور کی

ممنوع قید میں ہو شراب نجس تو پھر
قدرت ہو کیا کسی کو شراب طہور کی

واعظ غریب محبس دنیا میں قید ہے
پائے گا مے رہائی پہ روز نشور کی

اس دن سے خود پیئے گا پلائے گا بھی مدام
فاسخ دلی میں دولت حور و قصور کی

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت اس بات کا خیال رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں۔

ادارہ

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو راجستھان کے وفد کی

اسسٹنٹ کمشنر لسانی اقلیت سے ملاقات

جے پور۔ انجمن ترقی اردو راجستھان کا ایک وفد اسسٹنٹ کمشنر لسانی اقلیات حکومت ہند سے ملا اور حسب ذیل امور پر مشتمل ایک میمورنڈم پیش کرتے ہوئے موصوف کی توجہ اردو کے معاملات کی جانب مبذول کرائی۔ موصوف سے ملاقات کے دوران کافی تفصیلی گفتگو بھی ہوئی۔ جواب میں اسسٹنٹ کمشنر صاحب نے ہمدردانہ توجہ کا اقرار فرمایا۔ امید کی جاتی ہے کہ جلد ہی اس سلسلہ میں کارروائی کی جائے گی۔

(۱) گذشتہ چھ سال سے راجستھان یونیورسٹی میں اردو میں ایم اے شروع کرنے کے سلسلہ میں برابر کوشش کی جاتی رہی ہے۔ وائس چانسلر صاحب نے اقرار فرمایا تھا کہ اگر دس طلبہ داخلہ لے لیں تو ایم اے میں اردو جاری کردی جائے پچاس طلبہ کی درخواستیں پیش کی گئیں مگر ابھی تک کوئی عمل نہیں ہوا۔

(۲) دوسری جانب صرف ایک طالب علم کی بنا پر سنسکرت کے کلاس جاری ہوئے۔

(۳) جے پور کے صرف ایک سرکاری ہائر سیکنڈری اسکول (موتی کٹلہ ہائر سیکنڈری اسکول) میں اردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے جبکہ دوسرے مدارس میں یعنی مانک چوک، دربار، پودار اور آدرش نگر ہائر سیکنڈری اسکولوں میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی خاصی تعداد موجود ہے جو اردو پڑھنے کو تیار ہیں۔

(۴) صرف ہائر سیکنڈری اسکول مانک چوک میں تھرڈ لینگویج کی حیثیت سے اردو پڑھائی جاتی ہے جبکہ سنسکرت تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

(۵) جے پور شہر میں دس سرکاری مڈل اسکول ہیں مگر طلبہ اور سرپرستوں کی جانب سے بار بار درخواستیں پیش کرنے کے باوجود کسی اسکول میں اردو جاری نہیں کی گئی۔

(۶) جے پور شہر میں دس سرکاری پرائمری اسکول ہیں جہاں طلبہ اردو میڈیم استعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن صرف پرائمری اسکول پہاڑ گنج ایں اسکول ہے جہاں پرائمری جماعتوں میں مختلف مضامین کے لئے اردو میڈیم استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

(۷) اردو رسم الخط میں کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں صرف حساب کی ایک کتاب اردو میں ملتی ہے جو کافی پرانی ہوچکی اور اس میں جدید میٹرک سسٹم پر مختصر سوالات نہیں ہیں اس کو دوبارہ تالیف کرانے کی ضرورت ہے۔

(۸) ہندی اور سنسکرت کی طرح اردو کے اساتذہ کی سینیر ٹی لسٹ ابھی تک تیار نہیں کی گئی۔

(۹) سرکاری احکامات کے باوجود سال ۱۹۷۰-۷۱ء میں گورنمنٹ جیک مڈل اسکول جے پور اور ہائر سکنڈری اسکول موتی کٹلہ کے درجہ ششم میں اردو کے طلبہ کو داخلے نہیں دئے گئے جبکہ ان مدارس میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی خاصی تعداد موجود ہے نیز اسٹاف میں اردو پڑھانے والے اساتذہ بھی موجود ہیں۔

(۱۰) ایسے بھی پرائمری اسکول موجود ہیں جہاں پورے کلاس میں اردو میڈیم استعمال کرنے والے طلبہ ہیں مگر صرف ایک مضمون یعنی "اردو ریڈر" اردو میں جاری ہے بقیہ مضامین ہندی میں پڑھائے جاتے ہیں۔

(۱۱) امتحانات کے دوران اردو میں ضرورت کے مطابق امتحانات کے پرچے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طباعت اس قدر ناقص ہوتی ہے کہ طلبہ ان کو ٹھیک طور پر پڑھ بھی نہیں سکتے۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحب نے غور سے تمام امور پر توجہ فرمائی اور یقین دلایا کہ وہ جلد از جلد ان امور کی جانب حکومت کی توجہ مبذول کرا کے شکایات کو دور کرانے کی کوشش کریں گے۔

• محمد اہتمام الدین عثمانی

کیچامن سٹی گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول میں

اردو کے مدرس کا انتظام

جے پور۔ ڈائرکٹر پرائمری وسیکنڈری ایجوکیشن راجستھان بیکانیر نے اپنی چٹھی نمبر EDB/SEC/E/22467 (3)/ 900/69-70 مورخہ ۱۱ دسمبر ۷۰ء کے ذریعہ انسپکٹر آف اسکولس ضلع ناگور کو مطلع کیا ہے کہ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان کے خط مؤرخہ ۲۲ تاریخ

۳ دسمبر ۱۹۸۰ء سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری اسکول کچامن سٹی (راجستھان) میں اردو کا مدرس نہ ہونے کی وجہ سے اردو کے طلبہ اپنا مضمون بدل رہے ہیں اور تقریباً ۵۰ فیصدی طالب علم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ پر فوری توجہ کی جائے اور اردو کے مدرس کے تقرر کا انتظام کیا جائے اور اس کی تفصیلی رپورٹ بھیجی جائے۔

مندرجہ بالا چٹھی کی ایک کاپی ڈائرکٹر صاحب نے جنرل سکریٹری انجمن ترقی راجستھان کو ان کے خط کے جواب میں ارسال کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا اسکول کے طلبہ کی دقت جلد ہی دور ہو جائے گی۔

• نامہ نگار

انجمن ترقی اردو ریوا (مدھیہ پردیش) کے سالانہ انتخابات

بھوپال:۔ انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کی شاخ ریوا نے سال ۸۱ء کے لئے اپنے انتخابات مکمل کر لئے۔ ایک جلسہ پنڈت نرائن پرشاد چترویدی ایڈوکیٹ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں پرنسپل اختر حسین نظامی، جناب لال وکرم جیت سنگھ، پروفیسر راج کھیرا، جناب اے آر اگروال اسسٹنٹ رجسٹرار ریوا یونیورسٹی نے اپنی تقاریر میں انجمن ترقی اردو کے اغراض و مقاصد اور منصوبوں پر روشنی ڈالی اور اس جذبہ کا اظہار کیا کہ اردو کی ترویج و ترقی کے لئے انجمن کے پلیٹ فارم سے جد و جہد کی جائے گی۔ صدر جلسہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو جیسی ہمہ گیر اور ہر دل عزیز زبان ختم نہیں ہو سکتی۔ اردو ہمارے ملک کی اہم زبان ہے۔ اس کی عزت اور ترقی کا رشتہ ملک کی عزت اور ترقی سے جڑا ہوا ہے۔

جلسہ میں جو عہدیداران اور اراکین مجلس عاملہ منتخب کئے گئے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔ پنڈت نارائن پرشاد چترویدی ایڈوکیٹ (سرپرست)، پرنسپل شانتی سروپ دوسانج (صدر)، جناب حفیظ الدین صدیقی ایڈوکیٹ (نائب صدر)، جناب مشتاق علی مشتاق (سکریٹری)، جناب لال وکرم جیت سنگھ (جوائنٹ سکریٹری)، مولوی لطیف احمد ایم۔اے (خازن)، پرنسپل اختر حسین نظامی (مشیر)، پروفیسر محمد حنیف انصاری (نمائندہ صوبائی انجمن)، سردار گربچن سنگھ، پنڈت شاردا پرشاد مالویہ، پروفیسر تلک راج کھیرا، حافظ عبدالمجید ٹکو، بابو نظیر خاں ناظر، جناب احمد مکرم بی اے، جناب الطاف حسین، جناب سلطان خاں (اراکین مجلس عاملہ)

• آفس سکریٹری انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش، بھوپال

انجمن ترقی اردو مڈل اسکول (باسودہ) میں صوبائی وزراء کی آمد

ضلع ودیشہ میں شہر گنج باسودہ میں ۱۹۵۶ء سے انجمن ترقی اردو ایک اردو میڈیم اسکول چلا رہی ہے۔ گزشتہ دنوں مدھیہ پردیش کے تین صوبائی وزراء نے گنج باسودہ میں قیام کے دوران اسکول کا بھی معائنہ کیا اور اسکول کی کارکردگی پر خوشی کا اظہار کیا۔ ان وزراء میں شری جگدیش نرائن اوستھی (وزیر تعلیم)، شری بشیر خاں (وزیر اوقاف) شری پٹیریا (وزیر پولس) شامل تھے۔ انجمن ترقی اردو گنج باسودہ کے صدر جناب ایچ جوہر نے اسکول کی زیر تعمیر عمارت کو دکھایا اور کہا کہ اس کی تکمیل ضروری ہے۔ وزیر تعلیم نے یقین دلایا کہ محکمہ تعلیمات سے جو گرانٹ ملتا ہے اسے جلد از جلد دلایا جائے گا اور چھت کا نامکمل کام بھی پورا کیا جائے گا۔ اس عمارت کے لئے راج ماتا سندھیا، جیا راجے سندھیا اور ملا سجاد حسین صاحب گراں قدر عطیات دے چکے ہیں۔ یہ اسکول باسودہ میں اردو کا واحد مڈل اسکول ہے اور انجمن ترقی اردو کی کوشش ہے کہ عمارت کی تکمیل ہوتے ہی اسے اردو ہائی اسکول کر دیا جائے۔

• آفس سکریٹری انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش

منیجر اردو بوائز ہائر سکنڈری اسکول کھنڈوہ کی برطرفی

انجمن ترقی اردو شاخ کھنڈوہ کا ہنگامی اجلاس شبلی لائبریری کھنڈوہ میں منعقد ہوا جس میں انجمن کے قائم کردہ اردو بوائز ہائر سکنڈری اسکول کے لئے مقرر کردہ منیجر ڈاکٹر خورشید احمد صدیقی کو ۲۱ دسمبر ۱۹۸۰ء سے منیجر شپ سے علحدہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور جناب علی احمد قریشی کو اسکول کا نیا منیجر مقرر کیا گیا ہے۔

• حسن رضا

اردو جاننے والوں کا صحیح اندراج ضروری

لکھنؤ:۔ ۱۹۸۱ء میں ہونے والی مردم شماری کے سلسلہ میں بیان دیتے ہوئے محترمہ بیگم سلطانہ حیات صاحبہ نے کہا کہ انجمن ترقی اردو ہند کا مقصد یہ ہے کہ مردم شماری میں اردو جاننے والوں کی صحیح تعداد کا اندراج ہو جائے تاکہ آئندہ چل کر اس کے لئے آئینی طور پر حقوق حاصل کئے جا سکیں۔

اردو کا مسئلہ خالص لسانی مسئلہ ہے جس کا مذہب و ملت سے کوئی تعلق نہیں اور کروڑوں مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں، اور عیسائیوں کی زبان ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے (۱) جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے وہ اپنی مردم شماری سلپ میں بھی اپنی مادری زبان اردو لکھوائیں۔ (۲) جن لوگوں کی مادری زبان تو اردو نہیں ہے مگر وہ اردو جاننے والوں کی بات سمجھ لیتے ہیں اور جو وہ بولتے ہیں وہ ہم اردو والے سمجھ جاتے ہیں ایسے لوگوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مردم شماری میں اردو کو بحیثیت ثانوی زبان کے لکھوائیں کیونکہ خانہ نمبر ۱۵ میں دو ثانوی زبانیں تحریر کرائی جا سکتی ہیں اس طرح سے اردو کا حلقہ وسیع ہو جائے گا۔

• قومی آواز

اخبار و اذکار

اردو کے معاملہ میں کوتاہیوں کو دور کیا جائے گا
وزیر اعلیٰ یوپی کا اعلان

لکھنؤ: وزیر اعلیٰ یوپی جناب تربھون ناتھ سنگھ نے یہاں جمعہ کے روز اردو بولنے والے لوگوں کو یقین دلایا کہ حکومت اردو زبان کے تئیں بے پرواہ نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ اپنی بساط کے مطابق حکومت اردو کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

وزیر اعلیٰ یوپی اردو بورڈ کے ایک اجلاس میں تقریر کر رہے تھے، جو یہاں کونسل ہاؤس میں منعقد ہوا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے بارے میں فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں ہے یہ زبان مٹ نہیں سکتی کیونکہ اپنے اندر ایک روحانی طاقت اور زور رکھتی ہے، جو اس کی بقا ہی کی نہیں بلکہ اس کی ترقی کی بھی ضامن ہے۔ مختلف تبصروں اور تجویزوں کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اردو کی نشو و نما کے لئے تجویز کئے ہوئے اقدامات کو عملی جامہ پہنانے میں ممکن ہے کہ کسی سطح پر کوتاہیاں ہوئی ہوں، جو افسوسناک امر ہے، لیکن یہ کوتاہیاں سرگرمی کے دیگر میدانوں میں بھی ہوئی ہیں، بہر حال اردو کے معاملہ میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں انھیں دور کیا جائے گا۔ • سیاست

اردو کو پنجاب کی دوسری سرکاری زبان
بنانے کا مطالبہ

چنڈی گڑھ: معلوم ہوا ہے کہ زبان کے مسئلہ پر آجکل پنجاب میں یہ تحریک زور پکڑ رہی ہے کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے۔ انجمن ترقی اردو کے ذمہ داروں کی جد و جہد کے نتیجہ میں بڑے پیمانے پر رائے عامہ اردو کے حق میں ہموار ہوگئی ہے اور عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے اپنانا کئی لحاظ سے صوبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اردو کے حق میں ایک خاص اور زیادہ وزنی دلیل یہ پیش کی جا رہی ہے کہ چونکہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے اس لئے اس کے ساتھ بہتر تعلقات کے قیام میں بھی اس سرحدی صوبہ (پنجاب) کی زبان کا اردو ہونا بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اطلاع سے پتہ چلا ہے کہ صوبہ کے وزیر امور تعلقات عامہ سردار ترلوچن سنگھ ریاستی نے کابینہ کے آئندہ جلسہ میں غور کرنے کے لئے ایک اسکیم پیش کی ہے۔ اس کے ذریعہ سردار ریاستی نے کابینہ کو متوجہ کیا ہے کہ چونکہ پنجاب کے پڑوسی صوبوں دہلی، جموں و کشمیر، ہماچل پردیش اور راجستھان کی دوسری زبان اردو ہے۔

اس لئے پنجاب کی دوسری زبان بھی اردو رکھی جائے تاکہ ان پڑوسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات اچھے رہیں علاوہ ازیں پنجاب ایک سرحدی صوبہ ہے اور سرحد پر واقع ملک پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہے۔ اس لئے بین الاقوامی نقطۂ نظر سے بھی اردو زبان کا اپنایا جانا ضروری ہے۔

(سیاست)

اردو زبان ختم نہیں ہو سکتی

دہلی: اردو کے ادیبوں اور شاعروں کی ایک مخصوص نشست جناب کمار پاشی ایڈیٹر سطور کے مکان پر اروِن سپتال دہلی میں منعقد ہوئی جس کی صدارت دہلی کے ہر دلعزیز ڈپٹی کمشنر جناب گوپی کرشن اروڑہ آئی اے ایس نے فرمائی۔ اس میں اروِن ہسپتال کے سرجن اور ڈاکٹر دہلی بھی شریک تھے محفل میں ممتاز شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

آخر میں جناب گوپی کرشن اروڑہ نے صدارتی تقریر فرمائی انھوں نے کہا کہ اردو بڑی پیاری اور شیریں زبان ہے، میں یہ نہیں مانتا کہ یہ زبان ختم ہو جائے گی انھوں نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا کہ نئے تقاضوں کا اثر بھی اردو شاعری میں نظر آ رہا ہے اور روایتی شاعری کی گرفت کمزور ہو رہی ہے۔ آخر میں یہ طے پایا کہ آئندہ نشست کے میزبان جناب نثار احمد فاروقی ہوں گے۔ • نامہ نگار

اردو زبان کی ہمت افزائی ہونی چاہئے
وزیر اعظم

وزیر اعظم نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ اقلیتوں کے جائز مطالبات کو یقیناً پورا ہونا چاہئے۔

اردو کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ اردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ بلکہ یہ شمالی ہندوستان کے ایک بڑے طبقہ کی زبان ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس زبان کی ہمت افزائی ہونا چاہئے۔

انھوں نے سوال کنندہ کو یاد دلایا کہ پنجاب میں گورمکھی اور ہندی کی ساری لڑائی اردو میں لڑی گئی۔ اردو کے علاوہ اور بھی زبانیں ہیں ان میں سے بہت سے شعبے روزگار کی سب کی مشترکہ شکایت ہے۔ • قومی آواز

(باقی صفحہ ۱۲ سے آگے)

اسطور نہیں ہے، بلکہ اس تخلیقی قوت سے منسلک ہے، جو ملٹن کے لئے عطیۂ الٰہی ہے۔ اسی طرح نظم کے تیسرے حصے میں نور سے جو تخاطب ہے وہ بھی ایک مذہبی منشا رکھتا ہے۔ "فردوس گم گشتہ" ایک بہت ہی پیچیدہ نظم ہے، جس میں مذہبی اور اساطیری پردوں میں سے چھن کر نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن پورے ڈھانچے کی بنیاد میں ایک خاص حسن مذہبی نظم (ORDER) کی ہے ضرور۔ ملٹن کے مذہبی خیالات کی تفہیم کے لئے اس کی نثری تصنیف (DE DOCTRINA CHRISTIANA) کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنی اس نظم میں اس نے اپنے نثری شاہکار کی مسلسل پابندی کی ہے۔ دراصل نظم کے بارہ حصوں میں ملٹن کے مذہبی معتقدات، اس کی جبلی خواہشوں، دل اور دماغ کے مابین کشمکش اور عقل و وجدان اور تخیل کے مد و جزر اور نیرنگیوں کی پوری داستان منعکس نظر آتی ہے۔ تین معاملات میں ملٹن کے خیالات عیسوی اذعانیت (DOGMATISM) سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ تثلیث سے زیادہ نفی تثلیث کا حامی معلوم ہوتا ہے اور اس کے عقیدے کو ایک لفظ (ARMINIANISM) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کے مطابق باپ اور بیٹے کی برابری (CO-EQUALITY) کی نفی ہوتی ہے۔ گو اس سے بیٹے کی تمام دوسری مخلوق پر سبقت میں کمی نہیں آتی۔ دوسرے اس کے یہاں یہ خیال بھی راسخ عقیدے کے خلاف ملتا ہے کہ خدا کائنات کو عدم سے وجود میں نہیں لایا، بلکہ جب اس نے اپنے ہی جوہر سے علیحدگی اختیار کی، تو تخلیق کا عمل ظاہر ہوا۔ اس اصول یا عقیدے کو (RETRACTION) کا اصول کہا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ ملٹن مادے کے وجود کو لازول تو نہیں مانتا، لیکن اسے خیر سے ضرور منسوب کرتا ہے۔ اس پورے ڈرامے میں خدا کے کردار کو جس طرح پیش کیا گیا ہے، اس پر فی الوقت تفصیل سے گفتگو کا یہ موقع نہیں۔ لیکن یہ جتا دینا ضروری ہے کہ جو پڑھنے والے ملٹن کے خدا کے قانونی رویے پر معترض ہوتے ہیں، وہ یونانی ڈرامے میں DIKE یا انصاف پر مبنی قدر کو نہ جانے کس طرح گلے سے اتار لیتے ہیں۔ یہاں تین اور امور بھی قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ خدا کے کردار کو پیش کرنے میں جو فنی وسیلہ اختیار کیا گیا ہے، اسے ایک اسم لفظ (ANTHROPOMORPHISM) سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس کے بغیر حقیقت مطلقہ یا کمال مجرد کو پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ ملٹن کے نزدیک انسان کی تخلیق، سینٹ آگسٹینی خیال کے مطابق روحانی سعادت کے نقطۂ انتہا پر کی گئی ہے اور تیسرے یہ کہ انسان سے خدا کا تعلق قانونی معاہدے (COVENANT OF LAW) کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور رحمت کے معاہدے (COVENANT OF GRACE) کی صورت میں بھی۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظم شروع تو ہوتی ہے خدا کے تصور سے جو قاہر اور جبار ہے اور ختم ہوتی ہے خدا کے رحیم و غفور ہونے کے تصور پر۔ یہیں سے ہمیں یہ اشارہ بھی ملتا ہے، کہ شیطان کے کردار کی تشکیل کا مقصد، اس کا خدا سے اس طنطنے کے ساتھ نبرد آزما ہونا اور نظم کے شروع کے دو حصوں میں اس کا تخلیقی توانائی سے اس حد تک لبریز ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دراصل شیطان ایک فنی معمول (IMEDIUM) ہے جس کے ذریعے ملٹن اس کالوی CALVINISTIC خدا کے تصور سے جو ارادیت محض (PURE WILL) ہے اور جو اس کے اعصاب پر طاری تھا، اپنے آپ کو نجات دلانا چاہتا ہے۔ جب یہ عمل تمام ہو جاتا ہے تو شیطان کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اس کی نخوت اور تکبر، اس کے عزم و حوصلے اور اس کی مہم جوئی، دیدہ دلیری اور تگ و تاز کا مینارہ سرنگوں ہو جاتا ہے۔ آدم اور حوا کے سلسلے میں بھی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان کی زندگی کے ڈرامے میں ہبوط انسانی کی اہمیت تو اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سے کچھ اہم تجات (REDEMPTION) کا وہ تصور نہیں جو منحصر ہے سعادت الٰہی کے فعال ہونے پر اور آخر آخر میں جو نقش ذہن پر باقی رہتا ہے، وہ اس خیر کا ہے، جو خدا کے توسط سے پوری کائنات میں نفوذ کرتا ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا، اس نظم کو بنیاد دیاتی صحیفہ (FUNDAMENTALIST TRACT) سمجھنا صریح غلطی بلکہ نادانی ہوگی۔ کیونکہ اس میں ہمیں وہ ابہام ملتا ہے، جو زندگی کی فراواں بوقلمونی کو ایک سادہ داستان نہیں سمجھتا، لیکن تمام موڑوں سے گزرنے کے بعد اور مروجہ عقائد سے ملٹن کے انحراف کے باوجود اور جبر و اختیار جیسے موضوعات سے دست و گریباں ہونے کے باوصف، اس عظیم رزمیہ کارنامے کی بنیادی روح مذہبی ہے! اور اس کی تخیلی عظمت کا سرچشمہ ملٹن کے مذہبی معتقدات کی توانائی، شدت اور رفعت ہی میں مضمر ہے۔ اس سلسلے میں کارج کی یہ رائے توجہ طلب ہے کہ شاعری اور مذہبی مسلمات (DOCTRINES) کو آمیز کرنے میں ملٹن کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ غالباً دانتے کو بھی نہیں ہوئی تھی۔

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

انگریزی شاعری کی تاریخ میں ملٹن کی اہمیت ناقابلِ انکار ہے۔ اس کی شاعری پر نشاۃ ثانیہ اور تحریک اصلاح مذہب، دونوں کی چھاپ نمایاں ہیں۔ انگریزی کے علاوہ وہ لاطینی زبان کا بھی عالم تھا، اور اس نے دونوں ہی زبانوں میں نظمیں بھی لکھیں۔ ملٹن کے خیالات اور فکری سرچشموں کا مطالعہ خاصا دقت طلب کام ہے کیونکہ اس کے یہاں بہت سے دھارے آکر مل جاتے ہیں۔ اس نے فکر و فن، دونوں کے سلسلے میں ان سب ذخیروں سے اکتساب فیض کیا، جو اس کی دسترس میں تھے۔ ان میں ہومر، ورجل اور اووڈ بھی شامل ہیں، دانتے، پیٹرارک اور اسپنسر بھی، یونان اور روم کی اساطیری کہانیاں بھی CHRISTIAN FATHERS بھی اور وہ بھی جنھیں MORTALISTS کہا جاتا ہے اس کے یہاں سینٹ آگسٹن کی اہمیت بھی ہے FLUDD کی بھی اور عبرانی تصوف کی بھی جسے (KABBALAH) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن ان سب پر فوقیت حاصل ہے انجیل مقدس کو مع (APOCRYPHA) کے، کیونکہ ملٹن کا پورا نظریہ حیات، اس کے بیشتر محاکات، اساطیری کردار اور تلمیحات، سب اسی سے ماخوذ ہیں۔ سردست ہمیں اس کی صرف دو نظموں سے سروکار ہے یعنی (LYCIDAS) اور "فردوس گم گشتہ"۔

اوّل الذکر کا شمار انگریزی کی بہترین مختصر نظموں میں ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ ملٹن نے اپنے دوست ایڈورڈ کنگ کی ناگہانی موت پر لکھا تھا، اس دوستی میں زیادہ گہرائی اور قربت نہیں تھی۔ اس نظم میں جو بیرونی چوکھٹا استعمال کیا گیا ہے اور جن شعری رسمیات (CONVENTIONS) کو برتا گیا ہے، وہ شاعری کی اس صنف سے مخصوص ہیں جسے PASTORAL شاعری کہا جاتا ہے۔ اس نظم کے سلسلے میں ملٹن پر عدم خلوص کا جو الزام لگایا گیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ بیشک اس نظم میں جو ادغام (INVOLVEMENT) ملتا ہے، وہ ایڈورڈ کنگ کی ذات سے زیادہ ان مسائل سے ہے جو عالمگیر حیثیت رکھتے ہیں، ملٹن کی ذات یہاں خود ایک اشاریہ (SYMBOL) کی سی ہے۔ وہ مسائل ہیں موت کی ہمہ گیری، اس کے بالمقابل انسان کی بے بسی، یہ سوال کہ یہ دنیا اور اس کا نظم کیسا ہے، جہاں ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ جہاں منصف آدمی پامال کیا جاتا ہے، جہاں زندگی کی کوکھ میں موت کا بیج چھپا ہوا ہے۔ یہاں ORPHEUS مثالی عالمگیر (ARCHETYPAL) کردار ہے، جو نقطۂ ارتکاز ہے، شاعر کی تخلیقی قوت، اس کی شہرت اور اس کے انجام کا یونانی علم الاصنامی کردار اور کائناتِ فطرت کو جس میں سمندر، دریا، وادیاں، جل پریاں اور رنگ برنگ کے پھول شامل ہیں، اور جنھیں ایڈورڈ کنگ کی موت سے متعلق کیا گیا ہے۔ نظم کی اندرونی تعمیر (ARCHITECTURE) میں ایک (PAGAN) عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ سے نظم میں ایک طرح کی نرمی، دلاسائی، طہارت، گداز اور رنگ و نور کا احساس اجاگر ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی جو عناصر عیسائیت کی اقدار سے متعلق ہیں وہ بھی اہم ہیں۔ نظم میں جو کیفیت حیرانی، اضطراب اور علیحدگی (ISOLATION) کی شروع میں ملتی ہے، وہ ملٹن کے ذاتی تجربے کی غمازی بھی کرتی ہے اور انسانی مخمصے PREDICAMENT کے متعلق بھی ہمیں تجسس پر اکساتی ہے۔ نظم کے ارتقاء کے دوران تین اہم موقعوں پر عیسائیت کا عنصر ناقابل فراموش ہے، اول [illegible] تک کی سطروں میں جہاں معمولی ارضی شہرت کے بالمقابل لافانی شہرت کا تصور پیش کیا گیا ہے جس کا تعلق حیات بعد الموت سے ہے اور جہاں خدا ہی انسانی اعمال پر آخری فیصلہ صادر کرتا ہے۔ دوسرے ۱۲۱ سے ۱۳۱ تک کی سطروں میں جہاں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ رومن کلیسا کی بدعنوانیوں پر خدا کا آخری اور بھرپور وار نازل ہوگا، اور تیسرے ۱۶۵ سے ۱۸۱ تک کی سطروں میں جہاں ایڈورڈ کنگ کے پایا کال گار اوہی ترفع APOTHEOSIS کی بشارت دی گئی ہے، جو حاصل ہوگی حضرت مسیح کی ذاتِ مقدس کے فیضان سے۔ نظم کے بیشتر حصے میں خوف و ہراس اور تشکیک کی لہر مسلسل ہے، لیکن اس کا خاتمہ ہوتا ہے، ایک رویائے سعادت و رحمت اور ایک جلوۂ قدسی BEATIFIC VISION پر۔

ملٹن کے عظیم کارنامے "فردوس گم گشتہ" کا مواد انجیل مقدس کے پہلے باب (GENESIS) سے لیا گیا ہے۔ LYCIDAS کا موضوع وہی تھا جس کا اعلان ملٹن نے اپنی اس رزمیہ نظم کے شروع میں برملا کیا ہے۔ یعنی منشائے خداوندی کی اس کے بندوں کے لئے تشریح و توجیہ۔ اس نظم میں اس موضوع کو بہت بڑے پیمانے پر برتا گیا ہے۔ دراصل ۱۶۴۲ء اور ۱۶۶۰ء کے درمیان ملٹن تشکیک اور ایمان کی جس برزخ سے گذرا تھا، اس نے پھر پرانے سوالات کے نئے جواب سوچنے پر اسے آمادہ کیا۔ اسی دوران میں احیاء (RESTORATION) کا ہنگامہ بھی گذر چکا تھا اور ملٹن کے غم و الم اور امیدیں ایک بڑے منجدھار سے گذری تھیں۔ "فردوس گم گشتہ" کے شعری کردار (DRAMATIS PERSONAE) کون ہیں؟ خدا، عیسیٰ مسیح، روح القدس، خیر اور شر کے فرشتے، گناہ اور موت اور آخر آخر میں آدم اور حوا۔ لیکن بعض عناصر جو بظاہر غیر مذہبی (SECULAR) معلوم ہوتے ہیں وہ بھی غیر مذہبی نہیں ہیں مثلاً رزمیہ کی دیوی (URANIA) محض

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. No. L. 922 فون نمبر ۲۹ R. No. 2186/57